تدوین و حفاظتِ قرآن: مختلف استشراقی نظریات کا ناقدانہ جائزہ

Orientalism on the Compilation of Qur'ān: A Critical Study of Different Views

ڈاکٹر محمد شہباز منج *

صائمہ شہباز منج **

Abstract

This paper studies approaches of selected orientalists towards the preservation and compilation of the Qur'ān. It has been claimed by a number of Western scholars and orientalists that the existing Qur'ān is not identical with the one that was offered by the Prophet Muhammad (PBUH) to his followers; it was compiled by Muhammad's companions after his death; In the process of compilation, Qur'ān lost its originality. But this claim was challenged by a number of other orientalists themselves; they asserted that Qur'ān was compiled and preserved in the Prophet's time and immediately after his death, compiled in a codex by his companions. Analytical study of these two positions reveals that the aforesaid stance is based on prejudice or willful ignorance about the textual history of the Qur'ān. In fact, Qur'ān was revealed by Allah Almighty and is completely preserved without even a minor change or disruption.

Keywords: Compilation and preservation of the Qur'ān, Orientalists' view on preservation of the Qur'an, Response to Oriental View on the Qur'ān.

قرآن کے حوالے سے، مستشرقینِ مغرب کا ایک دعوی یہ ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہ قرآن نہیں ہے، جو رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں تھا؛ یہ اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہا؛ مرورِ زمانہ سے اس میں بہت سی تبدیلیاں آگئی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن حکیم حضور ﷺ کے زمانے میں تحریر نہیں ہوا تھا، حضو ﷺ قرآن کو مرتب و مکمل شکل میں پیش کرنے میں ناکام رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے جانشینوں نے اسے مرتب و مدون کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ متعدد مستشرقین نے ان خیالات کی تردید کی اور ثابت کیا ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہ ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے پیش فرمایا؛ مرورِ زمانہ سے اس میں تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی؛ اس کی حفاظت و تدوین میں بہت احتیاط ملحوظ رہی۔ ذیل کی سطور میں ان مختلف استشراقی نظریات کا مطالعہ و جائزہ مطلوب ہے۔

عہدِ نبوی میں عدمِ کتابتِ قرآن:

تدوین و حفاظتِ قرآن سے متعلق مستشرقین کے دعاوی میں سے ایک دعوی یہ ہے کہ قرآن آں جناب ﷺ کے عہد میں تحریر نہیں ہوا تھا۔ آرتھر جیفری (Arthur Jeffery، 1892-1959) کے مطابق حضرت محمد ﷺ تحریری مواد جمع کرتے، اس کی چھان پھٹک کرتے اور اسے ایک مرتب کتاب کی شکل دینے کے لیے اس پر نظر ثانی کرتے رہے، تاکہ وہ اسے اپنی کتاب کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں، لیکن اس منصوبہ کی تکمیل سے پہلے ہی آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا؛[1] آج قرآن میں جو کچھ موجود

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا

** پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا

ہے وہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ کے پیروکاروں کے جمع کردہ اس مواد کا نام ہے، جسے آپ کے الہامات کے مجموعے کے طور پر شائع کیا گیا۔[2] جیفری نے بیل اور ٹوری کے حوالے سے تحریر کیا ہے:

> "Recent research by Dr. Bell of Edinburgh and Prof. Torrey of Yale has suggested that there is internal evidence in the Quran itself that the prophet kept in his own care a considerable mass of revelation material belonging to various periods of his activity, some of it in revised and some of it in unrevised form, and that this material was to form the basis of the *Kitab* he wished to give his community before he died. Death, however, overtook him before anything was done about the matter."[3]

آربری (Arthur John Arberry، 1905-1969) کے مطابق قرآن عہدِ نبوی میں لکھا ہوا موجود نہیں تھا اگر کچھ لکھا ہوا بھی تھا تو منتشر اور جزوی طور پر یا لوگوں کے حافظوں میں تھا۔[4]

عہدِ نبوی میں کسی سرکاری نسخے کی موجودگی کی تردید کرتے ہوئے مار گولیتھ (David Samuel Margoliouth، 1858-1940) لکھتا ہے:

> "One fact that emerges from a study of our authorities is that the prophet kept no official copy of his revelation."[5]

مار گولیتھ صرف عہدِ نبوی ہی میں کسی سرکاری نسخے کی موجودگی کا انکار نہیں کرتا بلکہ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھکس میں شامل اپنے مقالے میں عہد صدیقی بلکہ 86ھ تک کسی متفقہ نسخے کے تیار ہو سکنے کی تردید کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے لوگوں کو قرآن لکھنے سے منع کر دیا تھا؛ نیز اگر کچھ لکھا بھی گیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے لکھا تھا؛ صحابہ کے تحریر کردہ سارے مواد کو ملا لیا جائے تو بھی پورا قرآن نہیں بنتا۔ وہ قرآن کے لکھے جانے سے متعلق ابن سعد، طبری اور بخاری وغیرہ کی روایات کو مشکوک اور ناقابلِ اعتبار قرار دیتا ہے۔[6] جان برٹن (John Burton، پیدائش 1929ء) نے تاریخ جمع و تدوینِ قرآن پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عہدِ نبوی میں قرآن کی ترتیب و تحریر کیونکر ممکن ہو سکتی تھی، جب کہ اس وقت تک قرآن ابھی مکمل طور پر نازل ہی نہیں ہوا تھا! برٹن کے خیال میں مسلمان جمع قرآن سے متعلق تمام تر اختلافات کے باوجود اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کو جمع کرنے والے محمد ﷺ نہیں تھے۔ اس کے نزدیک "منسوخ التلاوۃ موجود فی الحکم" قسم کے نسخ کی موجودگی میں اس بات کا کوئی قطعی ثبوت نہیں کہ کسی بھی مسلمان کے پاس وہ قرآن موجود ہے، جو حضور ﷺ نے لکھوایا تھا۔ ایسی روایات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ نسخ کی وجہ سے قرآن کے کئی حصے ختم کر دیئے گئے تھے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو قرآن اس وقت تک لکھا گیا تھا، مکمل نہ تھا۔ وہ قرآن کی عدمِ محفوظیت اور عدمِ تکمیل کے سلسلے میں اپنے دعوے کی تائید میں جنگ یمامہ کے بعد حفاظ قرآن کے اٹھ جانے سے قرآن کے کچھ حصوں کے ضائع ہو جانے کا خدشے کا ذکر بھی کرتا ہے۔ وہ زید بن ثابت کے تیار کردہ نسخے کو نامکمل قرار دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ساتھیوں کی تعداد کم تھی تو قرآن لکھنے کی زحمت ہی نہیں کی گئی اور جب ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو قرآن کو حافظوں میں محفوظ کرنا شروع کر دیا گیا۔ لیکن گوناگوں جنگی مصروفیات کی وجہ سے یاداشتوں کا بہت سا حصہ ذہنوں سے محو ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آیات سے متعلق اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کئی ایک آیات کو رسول اللہ ﷺ خود ہی بھول گئے۔ کئی آیات کو اختصار کی غرض سے بدل ڈالا گیا۔ کئی آیات منسوخ ہو گئیں اور رسول ﷺ نے انھیں خود ہی کاٹ ڈالا۔ برٹن کی تحقیقات کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن کی محفوظیت اور ترتیب و تدوین کے الہامی انتظامات کا دعویٰ باطل ہے۔ اور قرآن اس طرح ہرگز محفوظ و

مرتب نہیں ہے جس طرح کہ مسلمان سمجھتے ہیں۔[7] مستشرقین نے عہدِ صدیقی اور عہدِ عثمانی کے نسخوں کو بھی نامکمل اور غیر معیاری قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جیفری عہدِ صدیقی میں کسی مکمل نسخے کی تیاری کا قطعی انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عہد صدیقی کے دوران اور مابعد مصحف صدیقی کے علاوہ دیگر نسخے رائج رہے، جس سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ مصحف صدیقی بھی دیگر نسخہ جات کی طرح ایک ذاتی نوعیت کا نسخہ تھا اور ذاتی نوعیت کے سارے نسخے نامکمل تھے، اور نتیجہ یہ کہ قرآن نامکمل تھا۔[8] مستشرقین یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مصحفِ عثمانی سے قبل قرآن کا کوئی معیاری نسخہ موجود نہیں تھا اور مصحفِ عثمانی چونکہ مصحفِ صدیقی کی نقل تھا، اس لیے مصحف عثمانی بھی اصلی قرآن نہیں۔

موجودہ ترتیب رسول اللہ کی مقرر کردہ نہیں:

مستشرقین کے نزدیک قرآن کی موجودہ ترتیب رسول اللہ ﷺ کی مقرر کردہ نہیں بلکہ مصحفِ عثمانی میں موجود ترتیب اس اصول کے تحت سامنے لائی گئی کہ لمبی سورتیں پہلے اور چھوٹی بعد میں رکھ دی گئیں۔ آربری کے الفاظ میں:

"In the vulgate the general procedure is to arrange the suras roughly in order of their length, beginning with longest and ending with the shortest." [9]

بعض مستشرقین کا کہنا ہے قرآن کو مرتب کر سکنا ممکن ہی نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود ہی قرآن کو آگے پیچھے اور خلط ملط کر ڈالا ہے۔ ان کے نزدیک حضرت زید نے ان سارے امکانات کو ختم کر ڈالا جن کی مدد سے قرآن کو ترتیبِ نزولی کی بنیاد پر مرتب کیا جا سکتا تھا۔ انھوں نے قرآن کے متفرق اجزا کو جمع کر دیا اور کسی اصول کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا۔ جوں جوں انھیں ٹکڑے ملتے چلے گئے وہ لکھتے چلے گئے۔ مضامین کے تسلسل کا لحاظ رکھا گیا اور نہ ہی اسلوب کی ہم آہنگی کا۔[10]

قراءاتِ قرآنیہ: مختلف ایڈیشنز:

مستشرقین قراءاتِ قرآنیہ پر معترض ہوتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بائبل کے مختلف ایڈیشنز (versions) کی طرح قرآن کی مختلف قراءتیں بھی اس کے مختلف ورژنز (versions) ہیں۔ جارج سیل قرآن کی سات قراءاتوں کو اس کے سات ایڈیشنوں سے تعبیر کرتا ہے۔[11] اختلاف قراءاتِ قرآنیہ کے حوالے سے قرآن پر نقد میں سب سے نمایاں نام آرتھر جیفری کا ہے۔ اس نے تفسیر، لغت، ادب اور قراءت کی مختلف کتابوں سے قراءت کے اختلافات جمع کر کے بزعم خود چھ ہزار ایسے مقامات کی نشاندہی کی جو مصحفِ عثمانی سے مختلف تھے۔ اس نے اسلامی علوم کے ورثے میں سے مختلف قراءاتوں کی بنیاد پر 15 بنیادی اور 13 ثانوی نسخہ جات پیش کرنے کی کوشش کی، جو اس کے نزدیک مصحفِ عثمانی کے مقابل نسخہ جات کی حیثیت رکھتے تھے۔[12] اس کا کہنا ہے کہ مصحف عثمانی کی تیاری کے لیے نامزد کی گئی کمیٹی نے دیگر نسخہ جات میں پائے جانے والے مواد کو نظر انداز کرتے ہوئے بہت سا ایسا مواد قرآن میں شامل کر دیا، کہ اگر محمد ﷺ کو کتاب کو حتمی شکل دینے کا موقع ملتا تو وہ اس مواد کو ہرگز شاملِ قرآن نہ کرتے۔[13] جیفری مسلمانوں کے اس تصور سے سخت اختلاف ظاہر کرتا ہے کہ قراءات کا اختلاف محض لہجوں اور تلفظ کا معمولی اختلاف ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود کے مسودہ ہائے قرآنی میں سے مختلف قراءات کا جو بھاری ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ درحقیقت متن کا اختلاف ہے۔[14]

کمزوری اور تغیر و تبدل پذیری:

مستشرقین قرآن کو کمزور اور تغیر و تبدل پذیر ثابت کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بعض عباراتِ قرآنی کی قرآن میں

موجودگی اور بعض کی عدم موجودگی کی بحث بھی چھیڑتے ہیں۔ اس ضمن میں "شیطانی آیات" کو قرآن کا حصہ اور فاتحہ و معوذتین کو قرآن سے خارج باور کرانے کی کوشش قابلِ ذکر ہے۔ واٹ شیطانی آیات یا غرانیق العلی کو حقیقت باور کراتے ہوئے لکھتا ہے:

"At some times Muhammad must have recited as part of the Qur'ān certain verses which apparently permitted intercession to idols…this is a strange and surprising story. The prophet of the most uncompromisingly monotheistic religion seems to be authorizing polytheism. It is unthinkable that anyone should have invented such a story and persuaded the vast body of Muslims to accept it. Moreover there is a passage in the Qur'ān which describes something of this kind."[15]

سورہ فاتحہ اور معوذتین کی قرآنیت کو رد کرتے ہوئے مستشرقین ان کی قرآنیت کے ثبوت میں وارد شدہ معتبر روایات سے تو کچھ تعرض نہیں کرتے لیکن اس کمزور و ضعیف روایت سے نہایت شد و مد سے استشہاد کرتے ہیں جس میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ مذکورہ سورتوں کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔ رچرڈ بیل لکھتا ہے کہ ابن مسعود معوذتین کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تھے، البتہ سورہ فاتحہ سے متعلق یہ یقین نہیں ہے کہ وہ اسے قرآن کا حصہ سمجھتے تھے یا نہیں۔[16] آرتھر جیفری سورہ فاتحہ کو قرآن سے نکالنے کے لیے عجیب استدلال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"…in it man is addressing God whereas in the Qur'ān proper it is always God addressing man."[17]

مذکورہ نظریات پر استشراقی تنقیدات:

قرآن کی حفاظت اور ترتیب و تدوین سے متعلق مذکورہ بالا اعتراضات کے ساتھ بہت سے مغربی اہل قلم ایسے بھی ہیں جنھوں نے ان استشراقی افکار و نظریات کی تردید کی اور واضح کیا ہے کہ قرآن اپنی اصلی حالت میں موجود ہے؛ اسے رسول اکرم ﷺ نے خود لکھوایا تھا؛ اس کی ترتیب و تدوین بعد کے زمانوں میں نہیں بلکہ ابتدائی دور ہی میں ہو گئی تھی؛ اس میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی کا دعوی باطل ہے۔ ان مغربی اہلِ قلم میں بیسویں صدی کے اہلِ قلم کا نمایاں حصہ ہے۔ شکاگو یونیورسٹی کا پروفیسر فریڈ ایم ڈونر (Fred McGraw Donner، پیدائش 1945) قرآن کی داخلی شہادتوں کی بنیاد پر اس کی بعد کے زمانوں میں تدوین کے نظریے کو رد کرتے ہوئے اور یہ ثابت کرتے ہوئے کہ قرآن ابتدائی دور ہی میں مدون ہو گیا تھا، لکھتا ہے:

"…the "late origins" hypothesis fails to explain many features of the Qur'ān text, analysis of which suggests that in fact the Qur'ān did coalesce very early in the history of Muhammad's community with in no more than three decades of Muhammad's death. For example, meticulous study of the text by generations of scholars has failed to turn up any plausible hint of anachronistic references to important events in the life of the later community, which would almost certainly be there, had the text crystallized later than the early seventh century C.E.[18]

قرآن کے عہدِ نبوی میں تحریر ہو جانے کی تائید کرتے ہوئے یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا کا علومِ اسلامیہ کا پروفیسر کارل ارنسٹ لکھتا ہے:

"The revelations that he delivered seem to have been written down, in part, during his lifetime, although the accounts that we have also take for granted an amazing capacity for oral memorization among the Arabs." [19]

کارل ارنسٹ نے جمع وتدوین قرآن سے متعلق ان عام اسلامی روایات کو تائیداً نقل کیا ہے جن میں قراء کرام کی شہادت کی بنا پر قرآن کو مختلف اشیا سے اوارق پر منتقل کرنے اور بعد ازاں عہدِ عثمانی میں اختلاف کے خدشے سے بچنے کی غرض سے معیاری سرکاری نسخے کی تیاری اور بقیہ کو تلف کر دینے کا ذکر ہے۔ اس کا کہنا ہے:

> "According to the standard account, Muhammad's successorsbecame concerned over the preservation of the Qur'ān after several notable memorizers of the text died in battle. Verses that had been preserved written on branches, on stone, and on thehearts of men are said to have been copied out on sheets. Nevertheless,it eventually became apparent that different copies ofthe Qur'ān contained noticeable variations. This caused 'Uthmān, the third caliph (who ruled 644–52C.E.), to establish an authoritative version of the text, and he ordered the destructionof all other copies."

متن قرآنی کے معمولی اختلافات، جن کی بنا پر مغرب قرآن میں تغیر وتبدل کا طوفان اٹھاتا ہے، کا اگر بائبل کے اختلافات سے تقابل کر کے دیکھا جائے تو قرآن کی حفاظت وتدوین کے حوالے سے روا رکھی گئی غیر معمولی احتیاط کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ کارل ارنسٹ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں نمایاں کیا ہے:

> "Commentaries and other scholarly writings, in fact, preserve many minor variations on the received Qur'ānic text. How significant are these variations? If one looks to the history of biblical texts in comparison, it is significant that among the 5,000 surviving manuscripts of the Greek New Testament, no two are identical. For the most part, the differences are in significant verbal variations that are easily understood as by-products of the scribal process of copying. Occasionally, however, there are manuscripts in which copyists have made deliberate changes to important words that had implications for religious debates within the early Christian Church."[20]

کارل ارنسٹ نے بعض مسلم فرقوں بالخصوص بعض اہلِ تشیع کی طرف سے قرآن کے کچھ حصوں کے ضائع ہو جانے کے نظریے کو بھی رد کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ حقائق اس کی تصدیق نہیں کرتے؛ آج کے دور میں اس نظریے کی تائید میں کوئی ایک بھی سنجیدہ دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس کے الفاظ ہیں:

> "Although there were some early sectarian groups, particularly among the Shi'is, who alleged that certain important revelations had been suppressed, it is almost impossible to find any serious arguments in favor of this thesis today." [21]

قرآن کی محفوظیت، اس کے رسول اکرم ﷺ سے آئندہ نسلوں کو بلا کسی ذرا سی تبدیلی کے منتقل ہونے، تمام اہل اسلام کے اس کی صحت پر متفق ہونے اور اس کی موجودہ ترتیب کے بعینہ آں جناب ﷺ سے ثابت ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے ولیم میور(William Muir، 1819ء–1905ء) نے لکھا ہے کہ قرآن حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں حفاظ کے سینوں اور مختلف لکھے ہوئے اجزا کی شکل میں موجود تھا۔ عہدِ عثمانی میں زید بن ثابت نے قرآن پر جس طرح نظر ثانی کی وہ نہ صرف حرف بحرف صحیح ہے بلکہ اسے مدون کرنے کے موقع پر جو اتفاقات جمع ہو گئے تھے، ان کی رو سے بھی یہ نسخہ اس قدر صحیح ہے کہ نہ تو اس میں کوئی آیتِ وحی اوجھل ہو سکی اور نہ ہی جامعین نے از خود کسی آیت کو قلم انداز کیا۔ بس یہی قرآن ہے جسے شارع نے پوری دیانت وامانت کے ساتھ دوسروں کو سنایا۔ مسلمانوں کے تمام فرقے موجودہ قرآن کی صحت وصداقت پر متفق رہے ہیں۔ موجودہ

قرآن اسی ترتیب کے مطابق ہے جو حضرت زید رضی اللہ عنہ لکھ کر رسول اکرم ﷺ کے بالمواجہ آپ کو سنایا کرتے تھے۔[22]

قرآن کے انتہائی صحت و صیانت کے ساتھ آگے منتقل ہونے کو حقیقت مانتے ہوئے ایک مستشرق روڈی پیرٹ (Rudi Paret) کہتا ہے کہ ہمارے لیے یہ یقین رکھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی بھی ہے جو حضرت محمد (ﷺ) سے مروی و منقول نہیں۔[23]

منٹگمری واٹ اقرار کرتا ہے کہ قرآن عہد نبوی ہی میں لوگوں کی یاداشتوں اور تحریرات میں محفوظ تھا اور قرآن کا غالباً اکثر حصہ رسول اکرم ﷺ ہی کی زندگی میں لکھا جا چکا تھا۔ وہ لکھتا ہے:

> "For over twenty years, until the end of his life, Muhammad continued to receive such revelations at frequent intervals. He and his followers memorized them, and they were repeated in ritual worship or prayer which he introduced. Most of them were probably written down during Muhammad's lifetime."[24]

قرآن کے رسول اکرم کے صدیوں بعد مدون ہونے اور اس کی موجودہ ترتیب کے رسول اکرم سے ثابت نہ ہونے کا استشراقی تصور واٹ کے ان الفاظ سے بھی باطل قرار پاتا ہے:

> "It seems likely that to a great extent that the Suras or chapters of the Qur'ān were given their present form by Muhammad himself; but the final 'collection' of all the passages of revelation and the assignment of their present order in the Qur'ān took place shortly after 650 or about twenty years after Muhammad's death." [25]

تدوین وحفاظتِ قرآن پر بحث کا جائزہ:

تدوین وحفاظتِ قرآن سے متعلق عام استشراقی نظریات کی خود مستشرقین کی طرف سے کی گئی تردید سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی رسول اکرم ﷺ سے قرنوں بعد تدوین وترتیب، آپ ﷺ سے صحت وصیانت کے ساتھ منقول نہ ہونے اور اس میں تحریف و تبدیلی اور اختلافات کے راہ پاجانے کا مغربی واستشراقی نظریہ باطل ہے۔ درج ذیل نکات سے یہ حقیقت اور نکھر کر سامنے آجائے گی:

قرآن رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں لکھا اور محفوظ کیا گیا:

قرآن کی حفاظت و تدوین سے متعلق حقیقتِ واقعہ جاننے کے لیے چند حقائق پیش نگاہ رہنا چاہئیں۔ اولاً زمانہ نزول قرآن میں جزیرہ عرب میں خواندگی کی شرح وہ نہ تھی جس کا مشاہدہ ہم دورِ حاضر میں کر رہے ہیں۔ عربوں کی اکثریت نوشت و خواند کے فن سے ناآشنا تھی، لیکن ان میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، گو ان کی تعداد بہت کم تھی۔ ثانیاً آج کسی کلام کی حفاظت کے دیگر ترقی یافتہ ذرائع بھی موجود ہیں لیکن زمانۂ نزولِ قرآن میں صورت حال یہ نہ تھی۔ عرب ابھی فن طباعت ہی سے ناآشنا تھے اور کاغذ کی جگہ چمڑے کی جھلیوں، ہڈیوں اور پتھروں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ ثالثاً عربوں کے مشہور شعرا سینکڑوں اشعار پر مشتمل قصیدے کہتے تھے؛ ان قصیدوں کو وہ اپنا قومی سرمایہ سمجھتے تھے، اس لیے ان کی حفاظت کا بھی خصوصی انتظام کیا جاتا تھا۔ لیکن ان قصیدوں کی حفاظت قلم و قرطاس کے ذریعے نہیں بلکہ سینوں میں محفوظ کرکے کی جاتی تھی۔ رابعاً قرآن حکیم یکبارگی نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا کرکے کئی سال کے عرصے میں نازل ہوا۔ ان حقائق کو ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا قرآن کی ابتدائی حفاظت وصیانت کے اہتمام پر نگاہ ڈالیں تو مستشرقین کے اس الزام کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ قرآن رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں لکھا اور محفوظ نہیں کیا گیا تھا۔ اوپر مذکور حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ نبوی میں کلام کو محفوظ کرنے کے دو ہی ذریعے تھے: ایک یہ کہ

اسے زیادہ سے زیادہ انسانوں کے سینے میں محفوظ کر دیا جائے اور دوسرے یہ کہ لکھنے کے لیے پتھر، کھجور کے پتے، ہڈیاں اور چمڑے کے ٹکڑے وغیرہ جو چیزیں بھی میسر آئیں کلام کو ان چیزوں پر لکھ لیا جائے اور لکھنے کے لیے ان لوگوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو فنِ کتابت کے ماہر ہوں۔ قرآن کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے ایک غیر جانبدار محقق یہ تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے گا کہ قرآن کی حفاظت میں مذکورہ دونوں طریقوں سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔ مستشرقین کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے کبھی قرآن کو موجودہ شکل میں پیش کرنے اور محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا لیکن جو شخص سورہ طہ کی آیت:

”وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا“[26]

”اور جب تک اس کی وحی پوری نہ ہو جائے قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کیجیے اور کہیے! اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما“

اور اس کے پس منظر پر نگاہ ڈالے گا تو اس پر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جائے گی کہ آپ ﷺ قرآن کو محفوظ کرنے کے بارے میں کتنے سنجیدہ تھے۔ آپ جبریلِ امین کی قراءت کے ساتھ ساتھ جلدی سے قرآن حکیم کو پڑھنے کی کوشش کرتے تاکہ آپ ﷺ پر جو وحی نازل ہو رہی ہے وہ حفظ ہو جائے اور اس میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آیتِ محولہ کے ذریعے رسول ﷺ کو حفاظت قرآن کے ایک وسیلہ کے طور پر رب زدنی علما کی دعا تعلیم فرما دی اور پھر سورہ القیامہ کی آیات:

”لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ“[27]

قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے۔ اس کو جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ سو جب ہم پڑھ لیں تو اس کی قراءت کا اتباع کیجیے۔ پھر اس کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔

کی رو سے تسلی بھی دے دی کہ آپ کی طرف جو وحی آ رہی ہے اس میں سے کسی چیز کے ضائع ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہیں، لہذا آپ تسلی رکھیے اور جبریل کے قراءت سے فارغ ہونے تک کا انتظار کیا کیجیے۔ اس کے بعد بقول مصطفی شلبی رسول اکرم ﷺ جبریل امین کے قراءت ختم کرنے کا انتظار فرماتے، پھر آپ اسی طرح خود پڑھتے جس طرح جبریل امین نے پڑھا ہوتا۔ حضرت جبریل کے واپس چلے جانے کے بعد آپ نازل شدہ آیات صحابہ کرام کو پڑھ کر سناتے تاکہ وہ اس کلامِ خداوندی کو حسنِ ترتیل کے ساتھ پڑھ سکیں۔ پھر آپ کچھ کاتبینِ وحی کو طلب فرماتے تاکہ وہ نازل شدہ آیات کو لکھ لیں، اسی طرح جب بھی قرآن حکیم کی کچھ آیات نازل ہوتیں صحابہ کرام انھیں یاد کرتے؛ لکھنے کے کام آنے والی جو چیز بھی مثلاً کھجور کے پتے، پتھر کی سلیں، کندھوں کی ہڈیاں اور چمڑے کے ٹکڑے، میسر آتی اس پر انہیں لکھ لیتے۔ پھر یہ مکتوب رسول اکرم ﷺ کے کاشانۂ اقدس میں رکھ دیا جاتا۔ یہ کام اسی طرح جاری رہا حتی کہ نزول قرآن کا سلسلہ مکمل ہو گیا۔[28] ڈاکٹر موریس بکائی کے نزدیک قرآن کی اندرونی شہادت ہی سے ظاہر ہے کہ قرآن عہد رسالت ہی میں تحریری شکل میں آ گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن کے عہد رسالت میں تحریر ہو جانے کے متعدد دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مومنوں کو یہ ہدایت بھی فرمائی تھی کہ وہ قرآن کو زبانی یاد کریں۔ چنانچہ لوگ اگر پورا قرآن یاد نہ کر سکتے تو قرآن کا اتنا حصہ ضرور یاد کر لیتے جو نمازوں میں قراءت کے لیے ضروری ہوتا، تاہم ایسے حفاظ کی بھی ایک جماعت پیدا ہو گئی تھی جس کو پورا قرآن حفظ تھا۔ یہ حفاظ قرآن کو دور افتادہ مقامات پر پھیلانے کا اہتمام کرتے تھے۔ یوں آپ ﷺ کے عہد میں متن کو حفظ اور تحریر دونوں طریقوں سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا گیا اور یہ اہتمام محفوظت قرآن سے متعلق انتہائی فائدہ مند ثابت ہوا۔[29] اس طرح حفظ قرآن سے

متعلق عہد نبوی میں کی جانے والی ثابت شدہ تاریخی کاوشوں کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن عہد نبوی میں مکمل صورت میں حفاظ کے سینوں اور متعدد مقامات پر کتابت شدہ شکل میں موجود تھا۔

مصحف کی شکل میں تدوین:

عہدِ نبوی میں قرآن سینوں اور سفینوں میں مکمل طور پر موجود تھا تاہم وہ ایک مصحف کی شکل میں مدون نہیں ہوا تھا۔ یہ کام خلفائے راشدین کے عہد میں ہوا۔ اس سلسلے میں عہدِ صدیقی اور عہدِ عثمانی میں جو کاوشیں ہوئیں اور جس طرح آپ ﷺ سے منقول قرآن حکیم کو کسی شمہ بھر ردوبدل کے بغیر مصحف کی شکل دی گئی وہ تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ تفصیل کی گنجایش نہیں مختصر طور پر خلفائے راشدین کے زمانے میں تدوین قرآن کے حوالے سے ملحوظ رکھی گئی احتیاط سے متعلق موریس بکائی کا بیان دیکھ لیجیے: رسول اللہ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر کی تحریک پر خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ کے سابق کاتبِ اعلیٰ حضرت زید بن ثابت کو قرآن کی ایک نقل تیار کرنے کے لیے کہا۔ انھوں نے کام انجام دینا شروع کیا اور اس سلسلہ میں جتنی بھی معلومات فراہم ہو سکتی تھیں، حاصل کیں۔ حفاظ کی شہادت، مختلف چیزوں پر قرآن کی نجی طور پر لکھی ہوئی نقلیں ہر چیز سے مدد لی گئی تاکہ قرآن کی نقل کرنے میں ہر قسم کی غلطی سے بچا جا سکے۔ اس احتیاط سے قرآن نقل کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کی ایک بے انتہا قابلِ اعتماد نقل تیار ہو گئی۔ یہ نقل خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہی اور انھوں نے اپنی رحلت کے وقت اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دی۔ خلیفہ ثالث کے عہد میں عہد صدیقی کے معیاری نسخہ کے مطابق ماہرین کی خصوصی جماعت کے ذریعہ قرآن کا وہ نسخہ تیار کیا گیا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام درج ہے۔ ماہرین کی جماعت نے اس شہادت کی صداقت کی جانچ پڑتال کی جو حضرت ابو بکر کے سامنے پیش ہوئی تھی اور جو اس وقت حضرت حفصہ کی تحویل میں تھی۔ اس جماعت نے متن کے حافظ مسلمانوں سے مشورہ کیا اور متن کی صحت کا نہایت سختی سے تنقیدی تجزیہ کیا گیا۔ یوں نہایت احتیاط اور اتفاقِ رائے کے ساتھ مصحفِ صدیقی کے مطابق مصحفِ عثمانی کی تیاری عمل میں آئی۔ مصحفِ عثمانی کی تیاری کی ضرورت یہ تھی کہ اسلام کے غیر عرب قوموں میں پھیل جانے کی بنا پر اختلاف کے خدشے سے محفوظ رہا جائے اور متن کی ابتدائی صحت میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔[30] الغرض عہد نبوی سے لے کر عہد عثمانی تک قرآن کی حفاظت اور جمع وتدوین کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے اور قرآن نہایت حفاظت وصیانت کے ساتھ بغیر کسی ذرا سی تبدیلی کے ہم تک پہنچ گیا۔

ترتیبِ قرآنی بروئے ہدایتِ ربانی:

جہاں تک ترتیبِ قرآنی کا تعلق ہے تو اس ضمن میں حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی سورتوں اور آیات کی موجودہ ترتیب خود رسول اللہ ﷺ نے ہدایت خداوندی کے مطابق دی تھی۔ ڈاکٹر مصطفی شلبی لکھتے ہیں کہ جبریل امین جب وحی لاتے تو حضور کو یہ بھی بتا دیتے کہ ان آیات کی جگہ کونسی ہے، تاکہ رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کی تلاوت اس ترتیب کے مطابق کریں جو ارادہ خداوندی کے مطابق ہے، جس ترتیب سے قرآن حکیم لوحِ محفوظ میں مدون ہے نہ کہ ترتیب نزولی کے مطابق۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ کاتبینِ وحی سے فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورہ میں فلاں فلاں آیات کے درمیان رکھو۔ پھر حضرت جبریل ہر سال رمضان کی راتوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نازل شدہ قرآن کا دور کرنے کے لیے اترتے؛ پہلے حضرت جبریل امین پڑھتے پھر حضور اسی ترتیب سے پڑھتے جس ترتیب سے حضرت جبریل امین نے پڑھا ہوتا۔ یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ وہ سال آ گیا جس میں حضور نے اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا۔ اس سال رسول اللہ ﷺ نے جبریل کے ساتھ دو مرتبہ قرآن حکیم کا

دور فرمایا۔ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری رمضان میں حضور اور جبریل امین کے درمیان قرآن کے دور کو سنا تھا انھوں نے خود بھی قرآن کو اسی ترتیب سے پڑھا اور دوسروں کو بھی اسی ترتیب سے پڑھایا۔ الغرض قرآن کی موجودہ ترتیب وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بہ حکمِ الٰہی مقرر فرمائی تھی اور صحابہ نے اسی ترتیب کے مطابق پڑھا اور حفظ کیا اور نمازوں میں تلاوت کیا کرتے اور اسی ترتیب کے مطابق اسے جمع کیا گیا۔ آیات کی ترتیب کے توقیفی ہونے پر علماے امت کا ہر زمانے میں اجماع رہا ہے۔[31] سورتوں کی ترتیب بھی جمہور علما کے نزدیک توقیفی ہے اور جن بعض لوگوں نے اسے صحابہ کے اجتہاپر منحصر قرار دیا ہے، محقق علمانے ان کی تردید کرتے ہوئے سورتوں کی ترتیب کو بھی توقیفی ثابت کیا ہے۔[32] لہٰذا قرآن کی موجودہ ترتیب کے رسول اللہ ﷺ سے منقول نہ ہونے سے متعلق مستشرقین کا الزام حقائق کے سراسر خلاف ہے۔

اختلاف قراءاتِ: لہجوں کا اختلاف:

اختلاف قراءاتِ قرآنیہ کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق قرآن حکیم آپ ﷺ پر سات حروف میں نازل کیا گیا۔ سات حروف سے مراد سات لہجے یا تلاوت قرآن کے ساتھ مختلف طرق ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے پہلے مجھے قرآن ایک حرف پر پڑھوایا؛ پھر میں نے بار بار ان سے اصرار کیا اور یہ مطالبہ کرتا گیا کہ قرآن مجید دوسرے حروف میں بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ وہ یہ اجازت دیتے گئے۔ یہاں تک معاملہ سات حرفوں تک پہنچ گیا۔[33] رسول اللہ ﷺ نے تلاوت قرآن میں سہولت پیدا کرنے کے لیے مختلف بوڑھے، امی اور بدوی عرب قبائل کو ان کے اپنے لہجے میں تلاوت کی اجازت دے دی۔ اس اجازت کی بنا پر ابتداً قراءات میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ ہر قبیلے کے لوگ اپنے لہجے کے مطابق قرآن حکیم پڑھا کرتے تھے۔ مختلف طرق یا لہجوں کے مطابق قرآن کی تلاوت اس وقت تک جاری رہی جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کی ایک قراءت کو سرکاری طور پر نافذ نہ کر دیا اور دیگر تمام قراءتوں اور لہجوں پر پابندی نہ لگا دی۔ حضرت عثمان نے صرف وہی قراءت باقی رکھی جو خود رسول اکرم ﷺ کی قراءت تھی۔[34] اختلاف قراءات کے سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ جو شخص بھی اسلام سے وابستہ ہوتا، خواہ امی ہو تا خواہ بدوی یا غیر عرب، سب کو اس کی تلاوت کا حکم تھا۔ حدیث سبعہ احرف اور دیگر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم دیتے وقت رسول اللہ ﷺ اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ جن لوگوں کو قرآن کا پیغام پہنچایا جارہا ہو ان کے لیے وہ قابل فہم ہو۔ اس صورتحال میں یہ بات نہایت فطری محسوس ہوتی ہے کہ مختلف افراد کو ان میں سے ہر ایک کے مناسب حال قراءت کرنے یا مترادف الفاظ (جو سبعہ احرف کے ذیل میں آتے ہوں اور جن کی قراءت کی اجازت دی گئی تھی) استعمال کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ بہ طورِ خاص اسلامی تاریخ کے ابتدائی سالوں میں اس کی اجازت کی ضرورت اظہر من الشمس ہے۔[35] لہٰذا مختلف لہجوں میں قرآن پڑھنے کی یہ اجازت لوگوں کی سہولت کی غرض سے تھی اور اس زمانے میں یہ سب کو معلوم تھا کہ لہجوں کا یہ اختلاف معمولی نوعیت کا ہے اور ان کی بنا پر قرآن کے متن سے متعلق کسی اختلاف کا اندیشہ نہیں، کیونکہ لہجوں کے اختلاف سے قرآن حکیم کے مفاہیم میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بقول زکریا ہاشم زکریا قرآن کو مختلف لہجوں کے مطابق پڑھنے کی اجازت ابتدائی دور سے متعلق ہے، جب نزول قرآن کا سلسلہ مکمل ہو گیا تو ایک کے علاوہ تمام لہجے منسوخ ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت جبریل نے قرآن حکیم کا جو آخری دور کیا تھا، وہ ایک ہی لہجے کے مطابق تھا۔ البتہ اس ایک لہجے میں متواتر قراءتوں کا احتمال موجود تھا۔[36] گو جبریل امین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے قرآن حکیم کے آخری دور کے ساتھ ہی باقی مختلف لہجے منسوخ ہو گئے تھے،

پھر بھی بعض لوگ عہد عثمانی تک مختلف لہجوں میں قرآن پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ آذربائیجان اور آرمینیہ کی جنگوں میں حضرت حذیفہ بن یمان نے اس سنگین صورت حال کا مشاہدہ کیا کہ لہجوں کا یہ اختلاف طویل بحثوں اور جھگڑوں کی شکل اختیار کرنے لگ گیا ہے اور وہ خلیفہ ثالث کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: **ادرک الامۃ قبل ان یختلفو اختلاف الیھود و النصاری۔** "امت کی خبر لیجیے۔ اس سے پہلے کہ ان میں یہود و نصاری کا سا اختلاف ظاہر ہو جائے۔" حضرت حذیفہ نے صورتحال کی جس سنگینی کا احساس کیا تھا دیگر صحابہ بھی اس کا احساس کر چکے تھے۔ اس صورتحال کا واحد حل یہ تھا کہ پوری امت مسلمہ کو قرآن حکیم کی لغتِ واحدہ پر جمع کر دیا جائے۔ یہ کام آسان نہ تھا کیونکہ ابتدائے اسلام ہی سے لوگ مختلف لہجوں میں قرآن پڑھتے آرہے تھے۔ مختلف صحابہ کے پاس قرآن کے جو مخطوطے محفوظ تھے وہ بھی ان کے اپنے اپنے لہجوں میں تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کروایا تھا وہ صرف ایک تھا اور صرف اس غرض سے تیار کروایا گیا تھا کہ حفاظ قرآن کے کثرت سے شہید ہونے کی وجہ سے قرآن کے کسی حصے کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ رہے، اس وقت یہ مقصد پیش نظر نہ تھا کہ تمام مسلمان مختلف لہجوں کو چھوڑ کر اسی مصحف کے مطابق قرآن حکیم کی تلاوت کریں۔ لہجوں کے اختلاف کی صورت حال سے نمنٹے کے لیے حضرت عثمان نے دیگر صحابہ کے مشورے سے "المصحف الامام" کا تصور پیش کیا۔ مطلب یہ تھا کہ لغتِ قریش جس میں قرآن حکیم نازل ہوا تھا اس کے مطابق قرآن کا ایک نسخہ تیار کیا جائے اور ساری امتِ مسلمہ اسی نسخے کے مطابق قرآن حکیم کی تلاوت کرے اور قرآن حکیم کی کتابت، طباعت اور اشاعت سب اسی نسخے کے مطابق ہوں۔ اس عظیم منصوبے کے لیے آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ مصحف مبارک منگوایا جو حضرت صدیق اکبر کی نگرانی میں تیار ہوا تھا اور اس وقت حضرت حفصہ کے پاس محفوظ تھا۔ پھر آپ نے صحابہ کرام حضرت زید بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت سعید بن عاص اور حضرت عبد الرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو منتخب فرمایا۔ ان حضرات میں سے حضرت زید کے علاوہ سب کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔ آپ نے ان اصحاب کو حکم دیا کہ وہ مصحف صدیقی کی مدد سے قرآن کا ایک نسخہ تیار کریں اور اگر کسی لفظ پر حضرت زید اور تین قریشی اصحاب میں اختلاف ہو تو قریشی حضرات کی رائے کے مطابق لکھیں، کیوں کہ قرآن حکیم انھی کی لغت کے مطابق نازل ہوا ہے۔[37] ان حضرات نے خلیفہ ثالث کے ارشاد کی تعمیل کی۔ مصطفی شلبی کے مطابق ان حضرات کا اختلاف صرف ایک لفظ "تابوت" پر ہوا۔ حضرت زید کی رائے تھی کہ اسے "ۃ" سے یعنی "تابوۃ" لکھا جائے۔ جب کہ قریشی حضرات اسے "ت" سے یعنی "تابوت" لکھنے کے قائل تھے۔ معاملہ عثمان غنی کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے اسے "ت" سے یعنی "تابوت" لکھنے کا حکم دیا۔[38] اس کمال احتیاط سے جو نسخہ تیار کیا گیا۔ اسے "المصحف الامام" کا نام دیا گیا اور پھر اسکی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف علاقوں میں بھجوا دی گئیں۔[39] یہ مصاحف لفظوں اور اعراب کے بغیر تھے اس لے ان میں ان تمام قراءاتِ متواترہ کا احتمال تھا، جو رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ مروی تھیں، بعد میں جب قرآن حکیم پر نقطے اور اعراب لگائے گئے تو ساری امت ایک ہی قراءت پر جمع ہو گئی اور آج ساری دنیا میں قرآن حکیم کی کتابت و ترتیل میں کسی ایک لفظ کے اختلاف کی نشاندہی کرنا ممکن نہیں رہا۔ آرتھر جیفری نے غیر مصدقہ نسخہ جات سے اختلافی قراءتیں نقل کر کے قرآن میں تحریف ثابت کرنے اور مصحف عثمانی کو مشکوک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جن روایات کی بنا پر وہ مصحف عثمانی کو مشکوک دکھانا چاہتا ہے ان کی اسناد خود اس کے اپنے بیان کے مطابق نامکمل اور غیر مستند ہیں۔[40] یہ علم و تحقیق پر کتنا بڑا ظلم ہے کہ مصحف عثمانی جو محکم و متواتر اسناد کے ساتھ مروی ہے؛ جس پر تمام صحابہ اور ساری امت مسلمہ متفق ہے، اسے وہ مقابل نسخہ جات پیش کر کے مشکوک بنانے کی کوشش کی جائے جو مصحف عثمانی کے نفاذ کے بعد خود

ان حضرات نے واپس لے لیے تھے، جن کی طرف وہ منسوب کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر خود جیفری نے تصریح کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنا نسخہ مصحفِ عثمانی کے نفاذ کے بعد واپس لے لیا تھا۔[41] مزید بر آں یہ امر بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ صحابہ و تابعین میں سے جس کے نام سے بھی جیفری نے کوئی نسخہ منسوب کیا ہے ان میں سے کسی کے پاس بھی وہ نسخہ تحریری شکل میں موجود نہ تھا اور نہ ہی ان میں سے کوئی شخص ایسے نسخے کو قرآن حکیم کے مقابلے میں اپنے پاس رکھنے کا دعویدار تھا، مگر جیفری نے مصحف عثمانی سے کسی ایک یا چند مقامات پر اختلاف کی بنا پر ان اصحاب کو مقابل قرآن کا حامل بنا دیا؛ قطع نظر اس کے کہ اختلاف کرنے والے کو مصحف عثمانی کے نفاذ کے بعد اپنی قراءت پر اصرار رہا یا اس نے اس سے رجوع کر لیا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جیفری جن نسخہ جات کو قرآن کے مقابل نسخہ جات کے طور پر پیش کرتا ہے، ان میں سے کوئی نسخہ بھی اب صفحہ ہستی پر موجود نہیں ہے۔[42] جیفری نے خود اعتراف کیا ہے کہ ان نسخہ جات میں سے کوئی مناسب مواد باقی نہیں بچا جس کو پا کر ہم ان میں سے کسی نسخے کے متن کی صحیح شکل دیکھنے کے قابل ہو سکتے۔[43] جیفری مصحف عثمانی کو غیر الہامی اور ارتقائی عمل کی انتہائی شکل قرار دینے کی دھن میں مصحفِ عثمانی کے مقابل مختلف قراءات اور نسخوں کو سامنے لاتے ہوئے اپنے اس اعتراف کو یکسر بھول جاتا ہے کہ ابن مسعود اور ابی ابن کعب سے منسوب اختلافی قراءاتوں کے جانچنے کے بعد پروفیسر برجسٹر اسر نے بجا طور پر یہ رائے قائم کی تھی کہ یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ کوئی شخص بھی ان نسخوں کو مصحفِ عثمانی کے مقابلے میں صحیح کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔[44] الغرض قرآن کے محفوظ و غیر محرف ہونے پر مستشرقین کے اعتراضات کسی ٹھوس علمی بنیاد پر مبنی نہیں۔ قرآن کی محفوظیت کا مقابلہ بائبل سے کرنے والوں اور قرآن کی مختلف قراءتوں کو اس کے مختلف ورژن قرار دینے والوں کے لیے ڈاکٹر حمید اللہ کا خطبات بہاولپور میں وہ بیان چشم کشا ہے جس میں موصوف فرماتے ہیں کہ جرمنی کے عیسائی پادریوں نے انجیل کے یونانی مخطوطے جمع کر کے ان کا مقابلہ کیا تو ان کو دو لاکھ اختلافی روایات نظر آئیں۔ انجیل کے متعلق یہ صورتحال جان کر کچھ لوگوں کو قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا چنانچہ جرمنی ہی میں میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ "قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ" کے نام سے قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دنیا سے قرآن کے قدیم ترین نسخے خرید کر، فوٹو لے کر جس طرح بھی ممکن ہو جمع کیے جائیں۔ نسخے جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا۔ 1933 میں جب میں پیرس یونیورسٹی میں تھا تو اس کا تیسرا ڈائریکٹر پریتشل (Pretzel) پیرس آیا تاکہ پیرس کی پبلک لائبریری میں موجود قرآن حکیم کے قدیم نسخوں کے فوٹو حاصل کرے۔ پروفیسر پریتشل نے مجھے شخصاً بتایا کہ اس وقت ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں قرآن کے بیالیس ہزار نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلے کا کام جاری ہے، دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور اس کا کتب خانہ اور عملہ سب کچھ تباہ ہو گیا، لیکن جنگ شروع ہونے سے کچھ عرصہ پہلے ایک رپورٹ شائع ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام شروع کیا گیا تھا وہ ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان بیالیس ہزار نسخہ جات میں کتابت کی غلطیاں تو موجود ہیں لیکن متن قرآن میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں پایا گیا۔[45]

"شیطانی آیات": ایک افسانہ:

جہاں تک "شیطانی آیات" والے قصے کا تعلق ہے تو یہ محض ایک افسانہ ہے۔ اس قصے کو اسلام کا مجموعی مزاج کسی طور قبول نہیں کرتا۔ بعض مسلم مصنفین نے اسے اپنی کتابوں میں جگہ دے کر ایک فاحش غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ امتِ مسلمہ نے کبھی بھی بحیثیت مجموعی اس افسانے کو تسلیم نہیں کیا۔ محقق علما نے اس قصے کو نہایت محکم دلائل سے رد کیا ہے۔ یہاں اس قصہ کے ابطال پر

چند نام ور محقق علما کی آرا درج کی جاتی ہیں۔ اکابر علمائے حدیث میں شمار ہونے والے امام بیہقی فرماتے ہیں: **هذه القصة غير ثابتة من جهة النقل**۔ "یہ قصہ نقلاً غیر ثابت شدہ ہے۔" قاضی عیاض کہتے ہیں کہ جن مفسرین اور تابعین سے یہ قصہ روایت کیا گیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی اسے کسی صحابی سے متصل سند کے ساتھ روایت نہیں کیا؛ اکثر طرق جن سے یہ قصہ مروی ہے، ضعیف اور فضول ہیں۔ مشہور حافظ حدیث محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ یہ قصہ زندیقوں کی اختراع ہے۔ امام ابو المنصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ تلک الغرانیق العلی والا افسانہ ان باتوں میں سے ہے جو شیطان ان زندیقوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، جو اس کے ساتھی ہیں تاکہ وہ انھیں کمزور ایمان والوں میں پھیلائیں اور ان کی نظر میں دین کو مشکوک بنائیں۔ رسول اللہ ﷺ اس قسم کی فضول روایات سے بری الذمہ ہیں۔[46] علامہ محمد الصادق ابراہیم عرجون کہتے ہیں کہ یہ ایک گھڑا ہوا افسانہ ہے جو ہر لحاظ سے باطل ہے؛ یہ از اول تا آخر ایک خبیث جھوٹ ہے۔ یہ ایک کافرانہ جھوٹ ہے جسے گھڑنے والا یا تو کوئی احمق اور جاہل جوان ہے، یا کوئی حاسد اور بے ایمان بوڑھا، جو اسلام کا دشمن ہے یا کوئی فسادی، منافق اور فاجر ہے، اور یہ افسانہ اس کے دل میں شیطان مردود نے ڈالا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ غرانیق سے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور نہ ہی یہ کسی طور پر ثابت ہے۔ علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ وہ حدیث جس میں غرانیق کا قصہ درج ہے، سفید جھوٹ اور موضوع ہے، کیوں کہ یہ قصہ از روئے نقل قطعاً ثابت نہیں۔ اس طرح جھوٹ تو کوئی شخص بھی گھڑ سکتا ہے۔[47] اور بھی متعدد علما نے اس قصہ کی سختی سے تردید کی ہے۔ حیرت ہے کہ اہلِ اسلام کے نزدیک اس قدر بے ہودہ اور بے سند قصے کو مستشرقین قرآن کی تکذیب کی خاطر یوں زور شور سے پیش کرتے ہیں جیسے اس سے بڑی کوئی سچائی ہی نہ ہو۔ ایک قوی سے قوی سند سے مروی روایت کو اپنے نقطہ نظر کے خلاف پا کر چٹکی میں اڑا دینا اور ضعیف سے ضعیف حتی کے قطعی بے سند روایت کو اپنے موافق پا کر حقیقت ثابتہ کے طور پر دکھانا سخت ناانصافی ہے۔

معوذتین اور فاتحہ کی قرآنیت:

رہا معوذتین اور فاتحہ کی قرآنیت کا معاملہ تو وہ بہ اتفاقِ صحابہ کرام قرآن کا حصہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب کی جانے والی روایت کی بنا پر معوذتین کو قرآن کا حصہ نہ سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اول تو بہت سے محقق علما نے حضرت ابن مسعود کے معوذتین کو قرآن کا حصہ نہ سمجھنے والی روایت ہی کو تسلیم نہیں کیا؛ جیسا کہ امام نووی نے "شرح المذہب" میں واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ معوذتین اور فاتحہ قرآن کا جزو ہیں اور جو ان میں سے کسی کی قرآنیت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ حضرت ابن مسعود سے اس سلسلہ میں جو باتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ باطل ہیں۔ اور باقلانی اعجاز القرآن میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ دعویٰ سچا ہوتا کہ حضرت ابن مسعود نے ان دونوں سورتوں کا انکار کیا تھا تو صحابہ کرام اس بات پر ان سے مناظرہ کرتے اور مسئلہ خوب شہرت حاصل کرتا۔ صحابہ تو اس سے کم اہم معاملات میں بھی باہم مناظرہ کیا کرتے تھے؛ یہ مسئلہ جو اتنا اہم تھا کہ اس کے متعلق غلط موقف انسان کو کفر و ضلالت تک پہنچا سکتا تھا، اس کے متعلق صحابہ کرام کا نرم رویہ اختیار کرنا کیسے ممکن تھا! درحقیقت صحابہ نے جو کچھ مصحف میں جمع کیا اس پر ان کا اجماع تھا۔ لہذا جہاں اجماع ثابت ہو چکا ہے اور جس مسئلے پر امت کا اتفاق مشہور ہے اس کے متعلق اس طرح کی شاذ روایتوں کی کچھ حیثیت نہیں۔ تاہم اگر معوذتین سے متعلق روایت کی کچھ اصلیت ہو بھی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ابن مسعود ان کو منزل من اللہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ دراصل ان کے نزدیک یہ سورتیں بہ طور تعویذ و حکایت نازل ہوئی تھیں۔ وہ ان کو اپنے مصحف میں اس لیے نہیں لکھتے تھے کہ وہ انھیں بکثرت تلاوت کیا کرتے تھے اور انھیں یاد رکھنے کے لیے لکھ لینا ضروری نہیں سمجھتے تھے، یا ان کے نزدیک یہ ثابت نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سورتوں کو مصحف میں لکھنے کا حکم

بھی دیا تھا۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ مصحف عثمانی کے متفق علیہ ہونے پر بشمول ابن مسعود کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ محققین نے اس حقیقت کی بھی نقاب کشائی کی ہے کہ مصحف عثمانی کے نفاذ کے بعد ابن مسعود نے اپنا نسخہ واپس لے لیا تھا۔ لہذا حضرت ابن مسعود کا معوذ تین کو اپنے مصحف میں درج نہ کرنا یا درج کرنے کی مخالفت کرنا موجودہ قرآن کے قطعی الثبوت ہونے پر قطعاً کوئی اثر نہیں ڈالتا، اور نہ ہی اس سے معوذ تین کی قرآنیت پر کوئی حرف آتا ہے۔

خلاصہ بحث:

قرآن کے حوالے سے مستشرقین کے یہاں ایک اعتراض یہ سامنے آیا کہ قرآن اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں ؛ یہ آں جناب ﷺ کے بہت بعد کے زمانوں میں مدون ہوا؛ اس کے نسخوں میں بہت سے اختلافات ہیں ؛ موجودہ قرآن وہ نہیں جو محمد (ﷺ) نے لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس اعتراض کو بہت سے اہلِ مغرب نے رد کیا اور واضح کیا کہ موجودہ قرآن بعینہ وہ ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا؛ یہ آپ ﷺ کے زمانے ہی میں سینوں اور سفینوں میں محفوظ کر لیا گیا؛ اس کو رسول اللہ ﷺ نے خود لکھوایا اور محفوظ کروایا؛ آپ کے تشریف لے جانے کے فوراً بعد آپ کے صحابہ نے اسے مختلف جگہوں سے ایک نسخے میں جمع کر لیا۔ ہر دو مواقف کے حامل مغربی اہلِ قلم کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کی آرا تعصب یا ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔ حقیقت ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور پورے طور پر محفوظ ہے۔ اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو خود مغربی اہل قلم، جن میں اسلام کے سخت مخالف و معاند افراد بھی شامل ہیں، اتنے کھلے لفظوں میں اس کا اقرار نہ کرتے۔

حواشی وحوالہ جات:

1. ArthurJeffery, *The Koran: Selected Suras* (New York, Heritage Press, 1958), 14-15.
2. Arthur Jeffery, ed; *Islam: Muhammad and his religion* (Indianapolis& New York: Bobbs-Merrill, 1958), 47.
3. Arthur Jeffery, *Materials for the history of the text of the Quran* (Leiden: E, J. Brill, 1937), 5.
4. A. J Arberry, *The Quran Interpreted*(London: Allen &Unwin, 1955),15.
5. D.S Margoliouth, *Mohammedanism* (London: Butterworth, 1928), 40.
6. Hastings, *Encyclopaedia of Religion and Ethics*, X/ 547-548.
7. John Burton, *The Collection of the Quran* (Cambridge: Cambridge University Press, 1977), 231-232.
8. Jeffery,*Materials,* 3-10.
9. Arberry, *The Quran Interpreted* 18-19.
10. Rodwell, *The Koran*. 7; A.S Tritton, *Islam: Belief and Practice* (London: Hutchinson, 1962), 15.
11. Sale, *The Koran,*45.
12. Mohammad A. Chaudhary, "Orientalism on Variant Reading of the Quran: The Case of Arthur Jeffery." *American Journal of Islamic Social Science12,* no. 2(1995):171-172.
13. Arthur Jeffery ,*The Quran as Scripture* (New York: Russell F. Moore Co, 1952), 93-97; Jeffery, *The Koran: Selected Suras,* 14-15.
14. Jeffery ,*The Quran as Scripture,*97.
15. Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman,* 60-61.
16. Bell, *Introduction to the Quran,* 41.
17. Jeffery,*The Koran: Selected Suras,*23.
18. Fred McGraw Donner, *Muhammad and the Believers: At the Origins of Islam* (USA: Harvard University Press, 2010), 54.
19. Ernst, *Following Muhammad,* 96.
20. Ernst, *Following Muhammad,* 96-97.

[21] Ernst, *Following Muhammad,* 97.

[22] سلیمانی، رسول مبین، 186-187۔

[23] بہ حوالہ: زقزوق، الاستشراق والخلفیۃ الفکریۃ للصراع الحضاری، 112۔

[24] Watt, Muhammad: Prophet and Statesman, 16.

[25] Watt, Muhammad: Prophet and Statesman, 16.

[26] طٰہٰ 20:114۔

[27] القیامۃ 75: 16-19۔

[28] الدکتور محمد مصطفی شلبی، اصول الفقہ الاسلامی (بیروت: الدار الجامعۃ للطباعۃ والنشر، 1983)، 1/93۔

[29] Bucaille, The Bible the Quran and Science, 117-118.

[30] Bucaille, The Bible the Quran and Science, 117-118.

[31] شلبی، اصول الفقہ الاسلامی، 1/93-94۔

[32] الدکتور صبحی الصالح، مباحث فی علوم القرآن (بیروت: دار العلم للملایین، 1965)، 71-74۔

[33] ابن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (القاہرہ: دار المعارف، 1946)، 1/32۔

[34] Chaudhary, Orientalism on Variant Readings, 175-176.

[35] Chaudhary, Orientalism on Variant Readings, 176-177.

[36] زکریا ہاشم زکریا، الاسلام والمستشرقون (مصر: المجلس الاعلی للشؤن الاسلامیۃ، 1965)، 115-116۔

[37] مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن (بیروت: موسسہ الرسالہ، 1980)، 129۔

[38] شلبی، اصول الفقہ الاسلامی 1/96۔

[39] القطان، مباحث فی علوم القرآن، 131۔

[40] Jeffery, *Materials*, 8.

[41] آرتھر جیفری، مقدمتان فی علوم القرآن (القاہرہ، مکتبۃ الخانجی، 1972)، 95۔

[42] Chaudhary, Orientalism on Variant Readings, 172.

[43] Jeffery, *Materials*, 10.

[44] Jeffery, *Materials*, 16.

[45] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور (اسلام آباد: ادارہ تحقیقت اسلامی، 1999)، 16۔

[46] محمد بن محمد ابوشہبہ، الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر (القاہرہ: مکتبۃ السنۃ، 1408ھ) 315-316۔

[47] محمد الصادق ابراہیم عرجون، محمد رسول اللہ (دمشق: دار القلم، 1985)، 30، 148۔